محمد سمیع اختر*

عربی قصہ نگاری میں اساطیری عناصر

قصہ گوئی دنیا کی قدیم ترین فنون لطیفہ میں سے ایک ہے۔ تاریخ انسانی کا کوئی دور ایسا نہیں گذرا جب کہ دنیا کے مختلف خطوں میں ایسے باذوق افراد موجود نہ رہے ہوں جنہوں نے اپنی مصروفیتوں سے فارغ اوقات میں تفریح طبع اور مزاح وظرافت کے لیے حکایت گوئی کے فن کو نہ اختیار کیا ہو! تاریخ انسانی کے ابتدائی ایام میں یہ قصہ گو حضرات اپنے معاشرے میں موجود افراد کی تفریح و دل لگی کے لیے ان کو اپنے تصورات وخیالات کی مدد سے غرائب وعجائب پر مبنی قصے سنایا کرتے تھے۔ یہ ایک ایسا مؤثر صنف سخن ہے جو بہت جلد اور بڑی آسانی کے ساتھ انسانی دلوں کو مسخر اور ان کے افکار وخیالات کو متاثر کرسکتا ہے۔ انسانی تہذیب کے آغاز میں یہ صرف تفریح طبع کا ذریعہ بھلے ہی رہا ہو لیکن بعد کے ادوار میں جلد ہی یہ عوام کی اصلاح وتربیت کا ایک مؤثر ترین ذریعہ بن گیا۔

بعض ناقدین ومحققین کا خیال ہے کہ عربی زبان وادب میں قصہ نویسی کا فنی وجود کچھ زیادہ قدیم نہیں بلکہ فنی اعتبار سے عربی زبان میں قصہ نویسی کی شروعات انیسویں صدی عیسوی کے اوائل میں اس وقت ہوئی جب کہ زندگی کے مختلف معاشرتی، اجتماعی، تعلیمی اور ثقافتی میدانوں میں مغربی دنیا سے باہم ارتباط واتصال کی راہیں ہموار ہوئیں، جب کہ مغرب میں اس کا فنی وجود کافی پہلے سے تھا۔ لیکن جدید دور سے قبل عربی زبان میں قصہ نویسی کے وجود کا سرے سے انکار کردینا درست نہیں ہے کیوں کہ عربوں کے یہاں ان کی ادبی وتہذیبی تاریخ کے ہر دور میں کسی قدر منتشر وبے ربط ہی سہی لیکن قصہ گوئی اور قصہ نویسی کے نمونے تسلسل کے ساتھ ملتے ہیں۔ عربی زبان میں قصوں کے بعض مجموعے تو ایسے ہیں جن کا دنیا کی مختلف ترقی یافتہ زبانوں میں کئی کئی بار ترجمے ہوچکے ہیں، یورپ ہی میں نہیں بلکہ پوری دنیا میں ''الف لیلہ ولیلہ'' کی کہانیوں کے ترجمے ایک زمانے سے کافی مقبول ہیں۔ عربی زبان میں قصہ نویسی کے فنی نمونے نہ ملنے کی ایک بڑی وجہ یہ ہوسکتی ہے کہ مختلف ادوار سے تعلق رکھنے والے عربی قصص وحکایات پر مشتمل اکثر مجموعے ضائع ہوگئے۔ ابن ندیم نے 'الفہرست' میں لکھا ہے کہ عجیب وغریب حکایات پر مشتمل ''منجذ بھی'' کا چار سو جلدوں پر مشتمل مجموعہ ''قیدالاوابد'' ضائع ہوگیا[1]۔ اسی موضوع پر احمد ربان کی ''کتاب العالم''،

---

* ریڈر شعبۂ عربی، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ

مسعودی کی کتاب ''اخبار الزمان'' اور دیگر بے شمار کتابیں آج موجود نہیں ہیں۔ اسی طرح اندلسی خلفاء کے ذاتی مکتبات میں موجود نادر کتابوں کا بھی کوئی سراغ نہیں ملتا۔ کہا جاتا ہے کہ قرطبہ کے مرکزی کتب خانے میں موجود کتابوں کی صرف فہرست ہی ۴۴ ضخیم جلدوں پر مشتمل تھی[۲]۔

قرآن اور قصہ نویسی:

قرآن حکیم بنیادی طور پر دعوت و تبلیغ، رشد و ہدایت، ذکر و تذکیر، انذار و تبشیر، ترغیب و ترہیب اور عبرت و موعظت کے موضوعات پر مشتمل کلام الٰہی ہے جس میں تا قیامت کسی تحریف یا ترمیم کی گنجائش نہیں ہے، یہ ایک ایسا جامع اور مبسوط دستور حیات ہے جس کے اندر ایک مومن کے لیے اس دنیا میں کامیاب زندگی گذارنے اور آخرت میں سرخرو ہونے کے تمام تر ضروری احکام و قوانین بڑی تفصیل اور وضاحت کے ساتھ موجود ہیں، لیکن ساتھ ہی اس کلام ربانی میں تاریخ و فلسفہ، سائنس و جغرافیہ، تہذیب و تمدن اور زبان و ادب سے متعلق ضروری معلومات اور اہم نکات بھی موجود ہیں۔ ان کا مقصد حکمت و فلسفہ کی گتھیوں کو سلجھانا، سائنسی ایجادات کے لیے دلائل و شواہد پیش کرنا یا زبان و ادب کی باریکیوں پر روشنی ڈالنا نہیں ہے بلکہ اس طرح کے تاریخی واقعات اور سائنسی معلومات کے ذریعہ انسانوں کے دلوں میں اطاعت و فرمانبرداری اور تقویٰ و خشیت کا جذبہ پیدا کرنا ہے، لیکن تاریخی حقائق اور موعظانہ پہلوؤں سے ہٹ کر جب ہم قرآن میں مذکورہ قصوں کا مطالعہ کرتے ہیں تو یہ قصے بڑی حد تک عربی زبان میں فنی قصہ نویسی کے معیار پر پورا اترتے ہیں۔ ناقدین کا ماننا ہے کہ قرآن حکیم میں دو طرح کے قصے ہیں۔ ایک تو تاریخی نوعیت کے جس کے تحت انبیاء و رسل کے واقعات اور گذری ہوئی معذب قوموں کی حکایات آتی ہیں اور دوسرے تمثیلی نوعیت کے قصے ہیں جہاں قصے ہیں جہاں قصے میں بیان ہونے والا واقعہ اصلاً مقصود بالذات نہیں ہوتا بلکہ یہاں حکایت کو بطور تمثیل بیاں کیا جاتا ہے۔ قرآنی قصوں کا اگر ہم فنی اعتبار سے جائزہ لیں تو اندازہ ہوگا کہ ان کے اندر حادثہ، مرکزی کردار، ذیلی کردار، ماحول، زمان، مکان غرض و غایت، تشویق، تطویر، حوار، جامعیت جیسی بیشتر خصوصیات موقعہ و محل کی رعایت کے ساتھ کم و بیش موجود ہیں، لیکن ان قصوں میں دیگر فنی خصوصیات کے بالمقابل عبرت و موعظت اور مقصدیت و جامعیت کا پہلو غالب ہے[۳]۔ تاہم زبان و ادب کے اعلیٰ اصولوں اور انسانی نفسیات کے تقاضوں کی بھی پوری رعایت رکھی گئی ہے۔

لغت کی مستند کتابوں میں ''سطر'' کے معنی لکھنے کے آتے ہیں جیسا کہ قرآن میں مذکور ہے ''والقلم و مایسطرون، (قسم ہے قلم کی جس سے وہ لوگ لکھتے ہیں) اس کا اسم ''السطورہ' ہے جس سے مراد لکھی ہوئی چیز ہے اور اس کی جمع ''اساطیر'' ہے۔[۴] لیکن عربی زبان میں یہ لفظ اس مفہوم کے علاوہ اوہام و خرافات پر مشتمل فرضی حکایات کے مفہوم میں بھی استعمال ہوتا ہے جن کا حقیقت و معقولیت سے کوئی رشتہ نہیں ہوتا۔ طبرسی نے ''اساطیر الاولین' آ کی تفسیر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ان سے مراد قدماء کی ایسی تحریر شدہ کہانیاں

بھی ہیں جن کی کوئی حقیقت نہیں اور جو محض ظرافت، غرابت، اور مزاح وتفریح کے غرض سے لکھی گئی ہوں۔ شیرازی نے اس لفظ سے عجیب وغریب تحریر شدہ داستان مراد لیا ہے[۵]۔ عربی قصہ نگاری میں اساطیری عناصر کے فروغ پانے کے اسباب ومحرکات نیز عربی ادب پر اس کے دوررس اثرات کا جائزہ لینے سے قبل ان قرآنی آیات پر ایک نظر ڈال لینا مفید ہوگا جہاں اساطیر کا ذکر موجود ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"و منهم من يستمع اليک......اِن هذا اساطير الاولين"[۶]

(ان میں سے بعض لوگ ایسے ہیں جو کان لگا کر تمہاری اس بات کو سنتے ہیں مگر حال یہ ہے کہ ہم نے ان کے دلوں پر پردے ڈال رکھے ہیں جن کی وجہ سے وہ کچھ نہیں سمجھ سکتے اور ان کے کانوں میں گرانی ڈال رکھی ہے کہ سب کچھ سننے پر بھی کچھ نہیں سنتے، وہ خواہ کوئی نشانی دیکھ لیں ایمان لا کر نہ دیں گے۔ حد یہ ہے کہ جب وہ تمہارے پاس آ کر تم سے جھگڑتے ہیں تو ان میں سے جن لوگوں نے انکار کا فیصلہ کر لیا ہے تو وہ ساری باتیں سننے کے بعد یہی کہتے ہیں کہ یہ ایک (اساطیر) داستان پارینہ کے سوا کچھ نہیں ہے)۔

دوسری جگہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"واذاتتلى عليهم آياتنا قالوا قد سمعنا لو نشاء تعلنا مثل هذا اِن هذا الا اساطير الاولين"[۷]

(جب ان کو ہماری آیات سنائی جاتی ہیں تو کہتے ہیں کہ ہاں سن لیا ہم نے، ہم چاہیں تو ایسی باتیں ہم بھی کہہ سکتے ہیں یہ تو وہی داستان پارینہ ہیں جو پہلے کے لوگ کہتے چلے آرہے ہیں۔)

"واذا قيل لهم ماذا انزل ربكم قال آساطير الاولين"[۸]

(اور جب کوئی ان سے پوچھتا ہے کہ تمہارے رب نے یہ کیا چیز نازل کی ہے تو یہ کہتے ہیں کہ اجی وہ تو اگلے وقتوں کی فرسودہ کہانیاں ہیں۔)

"قالوا ا اذامتنا و كنا ترابا و عظاما ا انا لمبعوثون لقد وعدنا نحن و اباؤ نا هذا من قبل ان هذا الا اساطير الاولين"[۹]

(وہ کہتے ہیں کہ کیا جب ہم مر کر مٹی ہو جائیں گے اور ہڈیوں کے

پنجر بن کر رہ جائیں گے تو ہم کو پھر زندہ کر کے اٹھایا جائے گا، ہم نے بھی یہ دعوے بہت سنے ہیں، ہم سے پہلے ہمارے باپ دادا بھی سنتے رہے ہیں یہ محض افسانہ ہائے پارینہ ہیں)۔

''وقالوا اساطیر الاولین اکتتبھا منھی تملی علیہ بکرۃ أصیلا. قل أنزلہ الذی یعلم السر فی السموات الارض إنہ کان غفورا رحیما''[۱۰]

(وہ کہتے ہیں کہ یہ پرانے لوگوں کی لکھی ہوئی داستانیں ہیں، جنہیں یہ شخص نقل کراتا ہے اور وہ اسے صبح شام سنائی جاتی ہیں، اے نبیؐ، ان سے کہو کہ اسے اس ہستی نے نازل کیا ہے جو زمین اور آسمان کے بھید جانتا ہے اور حقیقت یہ ہے کہ وہ بڑا غفور ورحیم ہے۔)

''فیقول ما ھذا الا اساطیر الاولین'' [۱۱]

(مگر وہ کہتا ہے کہ یہ سب اگلے وقتوں کی فرسودہ کہانیوں کے سوا اور کچھ نہیں ہے)۔

''واذا تتلی علیہ ایاتنا قال اساطیر الاولین''[۱۲]

(اسے جب ہماری آیات سنائی جاتی ہیں تو کہتا ہے کہ یہ تو اگلے وقتوں کی کہانیاں ہیں)۔

مفسرین کی اکثریت نے 'اساطیر' سے بے سروپیر کی جھوٹی کہانیاں مراد لیا ہے جن کا حقیقت و صداقت سے کوئی رشتہ نہیں ہے۔ ابو جعفر محمد بن جریر طبری نے اس لفظ کی تفسیر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اساطیر جمع الجمع ہے ''الکوھۃ'' اور ''اضحوکۃ'' کے وزن پر ''اسطورۃ'' ہے جس کی جمع ''اسطار'' اور پھر اس کی جمع الجمع ''اساطیر'' ہے جیسے ''اقوال'' کی جمع ''اقاویل'' مستعمل ہے۔ اسی طرح انہوں نے ''اساطیر'' کی تفسیر بیان کرتے ہوئے اسے ''احادیث الاولین'' اور اساجیع ''الاولین''، یعنی اگلے لوگوں کی داستانیں اور ان کی تک بندیاں وغیرہ جن کا حقیقت سے کوئی واسطہ نہ ہو، اخفش کا کہنا ہے کہ بعض لوگ اس کا واحد ''اسطورۃ'' اور ''اسطارۃ'' مانتے ہیں۔ طبری نے ایک بات اور لکھی ہے کہ ''اساطیر'' عربی کا ایسا جمع لفظ ہے جس کا کوئی واحد نہیں، جیسے ''عبادید'' (متفرق لوگ)، اسی طرح ''اباطیل'' آن کا کوئی واحد نہیں ہے۔[۱۳] قاضی ثناء اللہ مظہری نے بیضاوی کے حوالے سے ''اساطیر'' کو ''اباطیل'' کے مفہوم میں لیا ہے یعنی ایسی حکایات جن کے اندر روایت و درایت، صداقت و حقیقت اور نظم وضبط کا کوئی عنصر موجود نہ ہو۔[۱۴] صاحب کشاف محمود بن زمخشری نے بھی ''اساطیر'' کے معنی اکاذیب وخرافات پر مبنی

حکایات لیا ہے۔[۱۵] مولانا امین احسن اصلاحی اس لفظ کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ مشرکین مکہ قرآنی آیات کی اثر انگیزی اور اس کی حکایات کے موعظانہ پہلو سے گھبرا کر قرآن کو گذشتہ قوموں کی بے سروپا کہانیوں سے تعبیر کیا کرتے تھے۔ کفار مکہ عوام کو قرآن کی تاثیر سے دور رکھنے کے لیے قرآن اور قرآنی حکایات کے متعلق کہا کرتے تھے کہ یہ عاد وثمود اور دیگر معذب لوگوں کی حکایات محض زیب داستان کے لیے ہیں۔[۱۶] جلال الدین سیوطی نے ''اساطیر الاولین'' سے مراد کذب الاولین واباطیلھم'' لیا ہے یعنی اگلے لوگوں کی من گھڑت جھوٹی کہانیاں ہیں۔[۱۷] ان کے علاوہ دیگر مفسرین نے بھی ''اساطیر'' سے جھوٹی، بے سروپیر کی من گھڑنت کہانیاں ہی مراد لیا ہے۔

یہ حقیقت ہے کہ خرافات وتوہمات اور اباطیل واکاذیب پر مبنی کہانی قصے تو نزول قرآن سے قبل یونانیوں، رومیوں، عیسائیوں اور عربوں کے یہاں موجود تھے لیکن اس طرح کے قصص کے لیے ''سمر'' اخبار'' عجائب'' یا ''غرائب'' جیسے الفاظ کا استعمال ہوتا تھا۔[۱۸] قرآن نے شاید پہلی بار اس طرح کے بے سروپیر اور کذب وخرافات پر مبنی کہانیوں کے لیے لفظ ''اساطیر'' کا استعمال کیا۔ قرآن کے اندر ہر جگہ یہ لفظ جمع یعنی ''اساطیر'' ہی استعمال ہوا ہے۔ لسان العرب میں ''سطر'' کے معنی ''کتب'' تو موجود ہے مگر اس کے دلیل میں جاہلی کلام سے کوئی شعر یا ضرب المثل منقول نہیں ہے۔ قرآن نے اس لفظ کو ''فعل'' اور ''اسم'' دونوں مفہوم میں استعمال کیا ہے۔ قرآن حکیم کے اندر لفظ ''اساطیر'' کا استعمال کفار ومشرکین کی لاعلمی، ہٹ دھرمی، نادانی اور سرکشی پر مبنی اس ذہنیت کی عکاسی کے لیے کیا گیا ہے جن کی بنا پر وہ حقائق، شواہد پر مبنی قرآنی آیات وحکایات کو عجائب وغرائب پر محمول قصوں سے تعبیر کر کے ان کی اثر انگیزی کو ہوا میں اڑانے کی کوشش کیا کرتے تھے۔ احادیث اور تفسیر کی کتابوں میں اس لفظ کی زیادہ وضاحت نہ ملنے کی ایک وجہ یہ بھی سمجھ میں آتی ہے کہ شاید عربوں کے یہاں بھی یہ لفظ ''اساطیر'' اسی مفہوم میں معروف رہا ہو۔ بہر حال یہ بات اپنی جگہ مسلم ہے کہ قرآن حکیم میں خرافات وتوہمات یا اکاذیب و اباطیل پر مبنی ''اساطیر'' کے لیے کوئی گنجائش نہیں ہے، لیکن قرآن حکیم میں موجود انبیاء ورسل کی حکایات اور مختلف اوقات میں ان کو دیے گئے حسی معجزات اور ان کی طرف سے بسا اوقات ظاہر ہونے والے خارق عادت واقعات نے عربی قصہ نگاری میں اساطیری عناصر کو فروغ ضرور دیا۔ اللہ تعالیٰ خالق کائنات ہے اور رب السماوات والارض ہے، کائنات کا سارا نظام اس کے حکم کے تابع ہے، اللہ تعالیٰ کی ذات اس کائنات میں کسی غیر معمولی واقعے کے ظہور کے لیے اسباب وعلل کی پابند نہیں بلکہ اس کے لیے صرف ''کن فیکون'' کہہ دینا ہی کافی ہے، اللہ تعالیٰ نے دعوتی تقاضوں اور انسانوں کی نفسیاتی کیفیات کے پیش نظر بعض انبیاء کو ایسے حسی معجزات عطا کیے جن کی توجیہ دنیا میں کسی واقعہ کے ظاہر ہونے کے عام طبعی اصولوں کی روشنی میں ممکن نہیں ہے اور عام طور پر کسی بشر کی جانب سے ایسی غیر معمولی صلاحیتوں کا ظہور محال ہے،

قرآن کریم میں انبیاء و رسل کی حکایات کے تحت ایسے معجزات کا ذکر ملتا ہے کہ نبی وقت مردوں کو زندہ کر دیتا ہے، مریضوں کو شفایاب کر دیتا ہے، کسی لٹھیا کو سانپ میں تبدیل کر دیتا ہے، اس کے جسم کا کوئی حصہ چمکدار ہو جاتا ہے، وہ پرندوں کی زبان سمجھنے اور ان سے گفتگو پر قادر ہو جاتا ہے، وہ جنات کو مسخر کر اپنے کام کے لیے استعمال کرتا ہے، لوہے کو موم میں تبدیل کر سکتا ہے، پلک جھپکتے ہی ہزاروں میل دور موجود کسی ملکہ کو اس کے تخت سمیت اپنے دربار میں حاضر کر سکتا ہے، اسی طرح قرآن کریم میں ایسی حکایات بھی ملتی ہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے بنیادی اصول ''کن فیکون'' کے تحت کسی کنواری لڑکی کو افزائش نسل کے دنیوی اسباب کے بغیر بچے کی ماں بنا دیتا ہے، فرشتوں کو انسانی شکل عطا کر اس دنیا میں بھیج دیتا ہے، کسی شیر خوار بچے کو قوت گویائی عطا کر دیتا ہے یا اپنے کسی نبی سے اس کی عمر کے آخری مرحلے میں قوت گویائی وقتی طور پر سلب کر لیتا ہے، موجزن سمندر کے درمیان ایسا خشک راسطہ بنا دیتا ہے جہاں سے اس کے مومن بندے بے خوف خطر گذر جاتے ہیں، اپنے کسی نبی کو مچھلی کے پیٹ میں کئی دنوں تک زندہ رکھ سکتا ہے، دہکتے شعلوں کے الاؤ کو اپنے نبی کے لیے پھولوں کی سیج میں تبدیل کر سکتا ہے، یا بے آب و گیاہ محیط میدان کو مرغزار میں بدل سکتا ہے، باغی سرکش امتوں کو پتھروں کی بارش میں اس جیسے مختلف غیر طبعی طریقوں سے ہلاک کر دیتا ہے یا اسی طرح رات کی تاریکی میں کسی دنیوی اسباب کے بغیر اپنے نبی ﷺ کو عالم برزخ کی سیر کرا سکتا ہے[19]۔ ظاہر ہے قرآن مجید میں موجود یہ معجزات اور انبیاء کی حکایات محض زیب داستان یا دیو مالائی قصوں کا حصہ نہیں ہیں بلکہ یہ تاریخ کے مسلمہ حقائق ہیں جو قرآن کے علاوہ دیگر مذہبی کتابوں اور مستند تاریخی حوالوں سے بھی ثابت ہیں، اور پھر اللہ تعالیٰ کی قادر المطلق اور مافوق الفطرت ذات سے یہ کچھ بعید نہیں کہ اس کے حکم سے اس دنیا میں طبعی تقاضوں کے برخلاف حوادث ظہور پذیر ہوں۔ لیکن نزول قرآن کے بعد جب ہم مختلف ادوار میں عربی قصہ نویسی کا مطالعہ کرتے ہیں تو یہ صاف ظاہر ہوتا ہے کہ ان قصوں پر قرآن میں مذکور انبیاء کرام کی حکایات و معجزات کا اثر نمایاں ہے، اور ان کی اساطیری کہانیاں بہت حد تک ان سے متاثر ہیں، ان قصوں میں ہمیں ایسے خارق عادت کردار نظر آتے ہیں جو انبیاء علیہم الصلوات کی حکایات سے ماخوذ ہیں، نبی وقت کی جانب سے طبعی تقاضوں کے خلاف حادثات کا ظہور تو معجزہ ہے لیکن ان کے علاوہ کسی اور انسان کی طرف سے اس طرح کی غیر فطری صلاحیتوں کا ظہار ''اسطورہ'' اور ''خرافہ'' کے سوا کچھ نہیں ہے لیکن اتنا ضرور کہا جا سکتا ہے کہ عربی قصہ نویسی میں اساطیری عنصر کو پروان چڑھانے میں قرآن قصص اور حسی معجزات کا بھی کسی حد تک اہم رول ہے۔

جاہلی دور میں اساطیر:

نزول قرآن سے قبل عربوں کے یہاں لفظ ''اسطورۃ'' تو موجود نہیں تھا لیکن توہم پرستانہ مذہبی عقائد اور دیو مالائی تخیلات پر مبنی قصے کہانیاں ضرور موجود تھیں اور یہ کہانیاں زیادہ تر مختلف بتوں کی

ماورائی صلاحیتوں یا ان کے سورماؤں کے غیر انسانی کارناموں پر مشتمل تھیں۔ اسلام سے قبل موجود مذہبی عقائد و مذہبی روایات میں ''اسطورۃ'' کو بنیادی اہمیت حاصل تھی [۲۰]۔ یہ اساطیری حکایات در حقیقت ادھام اور وسوسوں پر مبنی افکار و تخیلات کا ثمرہ ہوا کرتی ہیں۔ جاھلی دور کے شعرا و ادباء کی عربی کاوشوں میں اساطیری عنصر غالب نظر آتا ہے، اس دور کے ادباء فخر و مباہات کے پیش نظر اپنے قبائل کے معمولی کارناموں کو اساطیری خرافات کی مدد سے غیر معمولی بنا کر پیش کرنے کی کوشش کیا کرتے تھے جن کی نہ تو کوئی عقلی توجیہ کی جاسکتی ہے اور نہ ہی ان کے لیے کوئی ٹھوس تاریخی ثبوت فراہم کیا جاسکتا ہے۔ اس طرح کے توہماتی قصے صرف عربوں کے یہاں ہی نہیں بلکہ دنیا کی تمام ہی قوموں کے اندر موجود ہیں۔ مستند تاریخی حوالوں سے معلوم ہوتا ہے کہ جاہلی دور میں عربوں کے یہاں توہمات و تصورات اور بعید از عقل خیالات پر مبنی حکایات کا وافر ذخیرہ موجود تھا لیکن فن کتابت کا معقول نظم نہ ہونے کے سبب ان کا بیشتر حصہ ضائع ہوگیا۔ جیسا کہ دمیری کی حیاۃ الحیوان'' ابن ھشام کی ''سیرت'' مسعودی کی ''مروج الذہب'' راغب اصفہانی کی ''الاغانی'' سے معلوم ہوتا ہے [۲۱] ابن ندیم کا کہنا ہے کہ اس نے جاہلی دور کے امثال و حکایات پر مشتمل ''عبید بن شریہ'' کے مجموعہ کو دیکھا تھا۔ ''مجمع الامثال کے مصنف'' المیدانی کا کہنا ہے کہ انہوں نے اس کتاب کی تصنیف میں عبید بن شریہ کی کتاب کے علاوہ اس موضوع پر مزید پچاس سے زائد کتابوں کا مطالعہ کیا تھا۔ اس کے علاوہ عسکری کی ''جمھرۃ الامثال'' زمخشری کی ''المستقصی''، ''فضل بن مسلمہ کی ''الفاخر'' بھی جاہلی دور کے امثال و حکایات پر مبنی ہیں [۲۲]۔ اس دور کے قصہ نویسوں کا خیال تھا کہ اس کائنات میں کوئی ایک نہیں بلکہ کئی ایسی ہستیاں ہیں جو غیر معمولی قوت و صلاحیت کی حامل ہیں اور وہ فطری تقاضوں اور طبعی اصولوں سے ہٹ کر وہ کوئی بھی کارنامہ انجام دے سکتی ہیں، ان کے اندر انسانی خصوصیات بھی ہیں لیکن ساتھ ہی وہ ہوا میں اڑنے، پانی کی تہہ میں اترنے، اپنی شکل تبدیل کرنے یہاں تک کہ کسی کی جان لینے پر بھی قادر ہیں، ان کے یہاں بارش، سردی، گرمی عشق و محبت، جنگ، خیر و شر آسمان و زمین ہر ایک کے لیے الگ دیوتا ہوا کرتے تھے۔ [۲۳] چنانچہ ''زھرۃ اور ھاروت و ماروت کے عشق کی حکایات تفسیر و تاریخ کی کتابوں میں کثرت سے ملتی ہیں۔ [۲۴] اس طرح ان کے یہاں شعریٰ، سھیل، جدی، ھبل اور کہانت و سحر پر مبنی دیگر حکایات بھی مشہور ہیں۔ زمانہ جاھلیت میں عرب یغوث، یعوق، نسر، ود، ھبل، لات، منات اور عزیٰ وغیرہ کی پرستش بھی کیا کرتے تھے۔ یہ ان کی ادھام پرستی ہی تھی کہ وہ شعریٰ کو شیطانی قوتوں کا حامل تصور کرتے تھے۔ ان کا خیال تھا کہ یہ شعریٰ نہیں بلکہ ان کی زبان سے شیاطین اشعار کہتے ہیں۔ عوام ہر دور میں حقائق کے عجائب و طرائف کے شیدائی ہوتے ہیں لہٰذا قصہ گو حضرات اپنے قصوں میں لطافت پیدا کرنے کی غرض سے بھی خرافات کا سہارا لیا کرتے تھے۔ جاھل دور کے مشہور بتوں لات، منات اور عزیٰ کی طرف تو قرآن نے بھی اشارہ کیا ہے، ان کا خیال تھا

کہ اگر یہ تینوں دیوتا خوش ہو جائیں تو ان کی تمام خواہشیں پوری ہو سکتی ہیں۔ زمانہ جاهلیت میں وہ خانہ کعبہ کے طواف کے دوران ''ولات والمنات والعزیٰ الثالثۃ الکبریٰ ماھن الغرانیق العلی ان شفاعتھن لترتجی'' گنگنایا کرتے تھے۔ [۲۵] وہ لات کی طرف موسم گرما، عزیٰ کی طرف موسم سرما اور منات کی طرف بارش کو منسوب کرتے تھے۔ اس دور میں کاھن بھی غیب کا علم ہونے کا دعویٰ کیا کرتے تھے اور عوام کو متاثر کرنے کے لیے عجیب وغریب حکایات سنایا کرتے تھے۔ اس دور کی اساطیری کہانیوں میں ''شق، سطیح عفیر ااور الشعساء وغیرہ کافی مشہور ہیں۔ ''شق کے بارے میں مشہور تھا کہ اس کے جسم کا آدھا حصہ تو آدمی کا تھا جبکہ آدھا حصہ عورت کا، اس کے جسم میں صرف ایک ھاتھ، ایک پیر اور ایک آنکھ تھی۔ سطیح کے متعلق یہ مشہور تھا کہ اس کا نہ سر تھا اور نہ ہی گردن تھی اور اس کا چہرہ اس کے سینے میں تھا۔ وہ نوسو (۹۰۰) سال تک زندہ رہا، ان دونوں سے لوگ غیب کے احوال معلوم کیا کرتے تھے، جاھلی دور کے اساطیری قصوں میں ''لقمان بن عاد'' کا کردار بھی عجیب وغریب ہے، وہ ایک دیو قامت شخص تھا، وہ ایک وقت کے کھانے میں کئی عدد نیل گایوں یا اونٹوں کو کھا جایا کرتا تھا، جاھلی دور کے امثال وحکایات کی طرح اس دور کے ایام یعنی جنگوں سے متعلق قصوں کے اندر بھی بہت حد تک اساطیری عناصر داخل ہیں، جنگ بسوس، جنگ داحس وغبراہ، جنگ فجار وغیرہ کی حکایات اس دور کے اساطیری قصوں کے بہترین نمونے ہیں۔ [۲۶]

اسلامی دور کی قصہ نگاری میں اساطیری عنصر:

قرآن کریم میں انبیاء کرام کے تفصیلی حالات زندگی، ان کو دیے گئے معجزات اور پھر عصیان و سرکشی کی صورت میں ان کی قوموں پر آنے والے عبرتناک عذابوں کو بیان کرنے کے پیچھے جہاں عبرت و موعظت، انذار وتبشیر، دعوت وارشاد اور اتمام صحبت کا پہلو پوشیدہ ہے وہیں شاید یہ حکمت بھی شامل ہے کہ علمی وعقلی انداز بیان کے بجائے دین اسلام کی دعوت کو قصصی اسلوب میں آسانی کے ساتھ دوسروں تک پہنچایا جا سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

''نحن نقص علیک احسن القصص بما آوحینا الیک ھذا القرآن''۔ [۲۷]

عہد رسالت میں نضر بن حارث بن کلدہ ایک مشہور قصہ گو تھا جس نے مختلف کاھنوں اور پادریوں کی صحبت اختیار کرنے کے ساتھ ساتھ ایران کا سفر بھی کیا تھا اور فارسی زبان سے بھی واقف تھا، وہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے قرآنی قصوں کے بالمقابل ایران کے عجائب وغرائب پر مشتمل رستم وسہراب اور اسفندیار وغیرہ کے اساطیری قصے سنایا کرتا تھا، عوام ان قصوں کو بڑی دلچسپی کے ساتھ سنا کرتے تھے۔ وہ کہا کرتا تھا کہ یہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم تو تمہیں عاد وثمود کی کہانیاں سناتا ہے اور میں تو تمہیں ان سے زیادہ بہتر انداز میں قیصر وکسریٰ کی کہانیاں سنایا کرتا ہوں، کہانی سنانے کے بعد وہ کہا کرتا تھا کہ کیا محمد صلی اللہ علیہ وسلم مجھ سے زیادہ اچھے انداز میں کہانیاں سناتا ہے؟ [۲۸] اس سے معلوم ہوتا ہے کہ عربوں کو عجائب و

غرائب پر مبنی قصوں میں کافی دلچسپی تھی، چنانچہ قرآن نے ان کے اسی فطری ذوق وشوق کی خیال کرتے ہوئے اشاعت دین کے لیے حکایات کا سہارا لیا مگر یہ قصے مبنی برحق وصداقت تھے اور ان کا خرافات و توہمات سے دور کا بھی کوئی رشتہ نہیں تھا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"لقد كان في قصصهم عبرة لاولي الالباب" [۲۹]

قرآنی قصص و حکایات کا بغور مطالعہ کرنے کے بعد ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ شاید عربی زبان میں قرآن ہی وہ اول کتاب ہے جس نے عربی قصہ نویسی کے بنیادی خطوط متعین کرنے کی سب سے پہلے منظم کوشش کی، اس نے قصہ نویسی کے اصول وقواعد اور اس کے اغراض مقاصد کا تعین کیا، اس نے بتایا کہ ادب کا بنیادی مقصد صالح بنیادوں پر اجتماعی وظلم معاشرتی اصلاح ہے اور پوری بنی نوع انسان کو خیر و بھلائی کی طرف دعوت دینا ہے، ان قصوں میں عام طور پر زمین کے اندر ظلم وزیادتی کرنے اور فساد و بگاڑ پھیلانے والوں کو انجام بد سے خبردار کیا گیا ہے اور عصیان وسرکشی کے عبرتناک انجام سے ڈرایا گیا ہے۔ قرآنی حکایات عام طور فنی اعتبار سے بہت حد تک مکمل نظر آتی ہیں، ان کے اندر حادثہ، مکالمہ، مرکزی کردار، ذیلی کردار، مقصد اور اسلوب جیسی تمام بنیادی خصوصیات نمایاں طور پر موجود ہیں۔ حضرت آدم، حضرت عیسیٰ، حضرت موسیٰ، حضرت یوسف اور حضرت ابراهیم علیہ السلام وغیرہ کے قصے فنی ومعنوی اعتبار سے بہت حد تک مکمل نظر آتے ہیں۔

قرآن میں مذکور حکایات کی تفصیل وتشریح کے در پردہ عربی زبان میں بہت حد تک خرافات و اکاذیب پر مبنی اسرائیلیات کو داخل ہونے کا موقع مل گیا، یمن کے دو یہودیوں وھب بن منبہ اور کعب احبار مشرف باسلام ہونے کے ساتھ اپنے ہمراہ تورات اور دیگر مذہبی کتابوں میں مذکور خرافات وغرائب پر مبنی حکایات بھی ساتھ لائے۔ اسرائیلیات میں کائنات کے آغاز، آسمان وزمین، شمس وقمر اور آدم وحوا کی تخلیق سے متعلق ایسی تفصیلات ہیں جو عقل اور شرع کے بجائے خیال اور اسطورہ سے زیادہ قریب ہیں۔ [۳۰] اسی طرح معراج اور اسراء کے واقعے کو بھی عربی زبان میں ایسے قصوں کو فروغ دینے میں اہم رول ہے جہاں ہیرو عالم برزخ کی سیر کرتا ہے جیسے ابوالعلاء معری کی "رسالۃ الغفران" اور ابن شہید کی رسالۃ التوابع والزوابع" وغیرہ۔

اموی دور میں اسلامی مملکت کے دائرے میں وسعت آئی، بہت سارے نئے ممالک کو فتح کیا گیا۔ سیاست وحکومت کے نظام کو بہتر بنانے کے ضمن میں اس بات کی ضرورت پیش آئی کہ مختلف ممالک کے بادشاہوں کی طرز حکومت کے بارے میں معلوم کیا جائے، چنانچہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں معروف ہے کہ وہ رات کے تہائی پہر تک دنیا کے مختلف ممالک کے امراء وسلاطین اور ان کی طرز حکومت سے متعلق واقعات کو غور سے سنا کرتے تھے اور صبح ہوتے ہی اپنے کاتبین اور مورخین کو حکم دیا کرتے کہ وہ ان حکایات کو لکھ کر محفوظ کرلیں! حضرت معاویہؓ کے خاص قصہ گو جس کا نام عبید بن شریۃ

الجرھمی ہے عبدالملک بن ھشام نے کتاب التیجان کے اندر عبید بن شریہ کے تمام قصوں کو جمع کرنے کی کوشش کی۔ [۳۱]

عباسی خلفاء اپنی علم دوستی اور ادب شناسی کے لیے مشہور ہیں، دنیا کے مختلف ممالک اور مختلف زبانوں میں موجود علمی و ادبی ذخائر کو عربی زبان میں منتقل کرنے کے ضمن میں انہوں نے کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا، خلیفہ مامون کے دور میں ''بیت الحکمۃ'' جیسی عظیم الشان اکیڈمی کے قیام کا بنیادی مقصد یہی تھا کہ مختلف علمی زبانوں میں موجود اہم علمی و ادبی کتابوں کا عربی ترجمہ کردیا جائے۔ اس ترجمے کے نتیجے میں جہاں متعدد عقلی و نقلی، علوم وفنون کو عربی زبان میں رواج پانے کا موقع ملا وہیں عربی شعروشاعری اور نثر نگاری میں ایرانیوں کے اثر ورسوخ کی بدولت بغداد میں ایرانی تہذیب وتمدن کو پھلنے پھولنے کا سنہرا موقع ملا جس کے نتیجے میں بڑے پیمانے پر ایرانی قصے کہانیوں کو عربی زبان میں منتقل کیا گیا۔ فارسی زبان میں بہت قدیم زمانے سے ہی عشق ومحبت، عجائب وغرائب، خرافات وتوھمات اور سحرو جنات وغیرہ پر مشتمل کہانیوں کا بڑا ذخیرہ موجود رہا ہے۔ چنانچہ اس دور میں 'جمیل شبینہ، قیس ولبنیٰ، مجنون ولیلیٰ، اور عمرو بن ابی ربعیہ وغیرہ کے عشقیہ قصے ترتیب دئے گئے جن میں تخیلاتی وتوھماتی عنصر غالب تھا۔ ابن ندیم نے ان کے علاوہ عشقیہ داستانوں پر مشتمل تقریباً ساٹھ اور مجموعوں کا ذکر کیا ہے۔ [۳۲] قصہ نویسی کے میدان میں اس دور کی دیگر اہم تصانیف میں ابوعبیدہ کی کتاب الامثال 'قصۃ الکعبہ' 'کتاب الایام' ضبی کی ''کتاب الامثال' ابوھشام کلبی کی ''اخبار اصحاب الکھف'' وغیرہ مشہور ہیں۔ [۳۳]

عربی قصہ نویسی میں اساطیری عناصر کو فروغ دینے میں قرآن حکیم میں مذکور مختلف انبیاء کرام کو دئے جانے والے حسی معجزات، واقعہ معراج، ابن مقفع کی 'کلیلہ ودمنہ، بدیع الزماں ھمذانی کے مقامات جاحظ کی کتاب ''البخلا، ابوالعلامعری کی ''رسالۃ غفران'' ابن شھید کی ''التوابع والتہ وابع' ابن طفیل کی ''حی بن یقظان'' اور ان سب سے کہیں زیادہ ''الف لیلہ ولیلہ کی کہانیوں کا اہم رول رہا ہے۔ کلیلہ ودمنہ میں ابن مقفع نے جانوروں کی زبان میں علم ومعرفت، حکمت و دانائی عبرت ونصیحت، معاشرت در اجتماعیت اور حکومت وسیاست سے متعلق بعض نہایت اہم نکات سے پردہ اٹھانے کی کوشش کی ہے۔ ظاہر ہے اس کتاب میں موجود بیشتر کہانیاں حقائق ومسلمات کے بجائے مصنف کے خیالات وتصورات پر مبنی ہیں۔ مشرق ومغرب ہر جگہ اس کتاب کا مختلف زبانوں میں ترجمہ ہو چکا ہے اور اس کے قصوں میں حادثہ، کردار، ڈائیلاگ، ماحول، تشویق، وصف، منظر نگاری، مقصد، اور تصویر کشی وغیرہ فنی قصہ نویسی کے بنیادی عناصر موجود ہیں۔ [۳۴]

الف لیلہ ولیلہ:

اساطیری عنصر کو عربی قصہ نویسی ہی نہیں بلکہ عالمی قصہ نویسی کا ایک اہم جز بنانے میں اس کتاب

کی اہمیت وافادیت سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ اس کتاب کے بارے میں غالب گمان یہی ہے کہ یہ فارسی کی مشہور کتاب 'ہزار افسانہ' کا ترجمہ ہے، لیکن عباسی دور سے لے کر عہد ممالیک تک ہر دور کے قصہ نویسوں نے اس کے اندر وقت، ضرورت اور حالات کے مطابق حکایات کا اضافہ کیا۔ اس کے مترجمین یا مترجم کے بارے میں کوئی بات یقین کے ساتھ نہیں کہی جا سکتی۔ اس میں ایرانی، یونانی، اسرائیلی، ہندوستانی قصوں کے ساتھ ساتھ خالص عربی قصے بھی موجود ہیں۔ محمود تیمور کا کہنا ہے 'الف لیلہ ولیلہ' میں تین طرح کے مجموعے شامل ہیں۔ ایک مجموعہ تو ان قصوں پر مشتمل ہے جو فارسی کی ''ہزار افسانہ'' میں موجود تھے، یہ ایران وھندوستان میں موجود توھماتی وخرافاتی قصوں کا مجموعہ تھا، اس کے راویوں اور مترجمین نے ان قصوں کو کچھ حذف واضافوں کے ساتھ ''الف لیلہ ولیلہ'' میں شامل کر دیا، اس کے اندر دوسرا مجموعہ ایسے قصوں کا ہے جن میں بغداد، مصر اور دیگر عرب ممالک کے قصہ نگاروں نے تاریخ کے مختلف ادوار میں لکھا اور پھر ان مجموعوں کو ''الف لیلہ ولیلہ'' کے اندر شامل کر دیا۔ تیسرا مجموعہ عجائب وغرائب پر مشتمل ان کہانیوں کا تھا جیسے ابوعبداللہ محمد بن عبدوس جھشیاری نے عرب، ایران، روم اور یونان کے نادر قصوں سے منتخب کیا تھا۔ [۳۴]

اس کے تقریباً تمام ہی قصے تخیلات وتوھمات، عجائب وغرائب، خوارق ومعجزات، جادو وجنات، بھوت پریت، پریوں اور شہزادوں کے موھومی تصورات پر مبنی ہیں۔ اس میں موجود کہانیوں کا ہیرو اپنا مقصد حاصل کرنے کے لیے زمان ومکاں کے حدود، کائنات میں واقعات کے ظہور کے فطری اصول و قوانین کا پابند نہیں بلکہ وہ اپنے مقصد کے حصول کے لیے آسمان کی بلندیوں، سمندر کی گہرائیوں، پہاڑ کی چوٹیوں غرضیکہ کہیں بھی تن تنہا خدائی تلوار یا جناتی انگوٹھی کے ذریعہ کسی دنیوی اسباب ووسائل کے بغیر محض روحانی قوت اور تائید یزدی کے ذریعہ آسانی کے ساتھ پہنچ جاتا ہے، ان کہانیوں میں غرابت، ظرافت، ندرت اور مزاح کے ساتھ مذہبی، اخلاقی، اجتماعی واصلاحی اثرات بھی نمایاں ہیں، ان کہانیوں میں انجام کار حق وصداقت کی جھوٹ اور فریب پر جیت ہوتی ہے، خیر وصداقت کا علمبردار ہیرو ھمیشہ شر پسند عناصر پر غالب آتا ہے گوکہ اسے بے شمار جان لیوا خطرات وآزمائشوں سے گذرنا پڑتا ہے، وہ اپنی روحانی قوت اور نصرت یزدی کی بدولت ان تمام خطرات سے کامیاب وسرخرو ہوکر نکل جاتا ہے، اس کی مشہور کہانیوں میں شہریار اور اس کے بھائی شاہ زمان، ان دونوں کی بیویوں شیرزاد و دنیازاد کی کہانی ہے، شیرزاد اپنے شوہر شہریار کو ہر رات ایک نئی کہانی سناتی ہے اور اس کے انجام کو اگلی رات تک کے لیے چھوڑ دیتی ہے، اس طرح وہ عجائب وغرائب پر مشتمل ایک ہزار راتوں تک مختلف کہانیاں سناتی ہے، دیگر کہانیوں میں ظالم بادشاہ اور حکیم، سند باد بحری، سوداگر اور جن، ماھی گیر، حضرت سلیمان اور جنات، دیوار آبنوس، شہر نحاس، شہزادی بدر اور شہزادی جوھر، حاسد بہنوں، شہزادہ احمد اور پری بانو، پری بانو اور جادوگر، سوتا

جاگتا، علی بابا اور چالیس چور، علاء الدین اور جادوئی چراغ، جادوئی انگوٹھی وغیرہ بے شمار عجیب وغریب کہانیاں ہیں جن کا عام انسانی زندگی میں تصور بھی محال ہے۔[۳۵]

رسالۃ الغفران:

فنی قصہ نویسی کے میدان میں عالمی شہرت کے حامل ابو العلاء معری کی معرکۃ الآرا تصنیف اس کی غیر معمولی تخیلاتی، عقلی، فکری اور ادبی صلاحیتوں کا مظہر ہے، فکری اعتبار سے اگر اس قصہ کا جائزہ لیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ اس نے اپنی اس کتاب کے لیے مرکزی خیال واقعۂ معراج سے لیا ہے۔ ابو العلاء معری نے اس قصہ کے اندر عالم برزخ یعنی جنت وجہنم کے مناظر کی نہایت پرکشش اور موثر انداز میں تصویر کشی کی ہے، وہ اپنے عالم بالا کی سیر کے دوران عربی زبان وادب، نحو وصرف، بلاغت وفصاحت، شاعری ونثر نگاری کی اہم ہستیوں سے ملاقاتیں کرتا ہے، قرآن وسنت میں موجود جنت وجہنم کے مناظر کی روشنی میں اپنے فکر وخیال کی ندرت اور زبان وبیان کی فصاحت سے ایسا سا باندھتا ہے کہ قاری کو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ جیسے وہ کسی تھیٹر میں بیٹھا ہو جہاں ایک کے بعد دوسرا منظر آنکھوں کے سامنے آرہا ہو، اس کا ہیرو جہنم کی سیر کے دوران وہاں ابلیس کو زنجیروں میں جکڑا ہوا، خنسار کے بھائی صخرا اور امرؤ القیس، عمرو بن کلثوم، طرفہ اوس بن حجر، تابط شرا، اخطل، تنفری اور بشار کو دیکھتا ہے۔ اسی طرح جنت کی سیر کرتے ہوئے اس کا ہیرو وہاں موجود ایک فرشتے سے ان حوروں کے متعلق دریافت کرتا ہے جن کا قرآن میں ذکر کیا گیا ہے، تو وہ فرشتہ اسے اپنے ساتھ لے کر ایک باغ میں داخل ہوتا ہے جہاں سیب، انار، سنترے وغیرہ مختلف پھلوں کے درخت ہیں، اس فرشتے نے بتایا یہ حوروں کا باغ ہے تم اپنی پسند کے مطابق کوئی پھل توڑ لو اور پھر اسے اپنے ہاتھ میں لے کر دباؤ تو اس پھل کے اندر سے ایک حسین وجمیل نوخیز دوشیزہ برآمد ہوگی، اس طرح ہر پھل سے ایک مختلف شکل کی حور برآمد ہوگی، ابو العلاء معری اپنے پورے رسالے میں اسی طرح عجائب ولطائف پر مبنی اپنے نادر تخیلات وتصورات کو پیش کیا ہے۔ دنیا کی کسی زبان میں ابو العلاء سے قبل اس طرح کے تصورات وخیالات پر مبنی کوئی ادبی نمونہ نہیں ملتا۔ اس کے تین سو سال بعد اٹلی کے مشہور ادیب ''دانتے'' نے انہیں تصورات وتخیلات کو اپنے ناول ''جہنم'' اور تقریباً چھ سو سال بعد انگلینڈ کے شاعر اور ادیب ''ملٹن'' نے فردوس گم شدہ میں پیش کیا۔[۳۶]

دور جدید کی قصہ نگاری میں اساطیری عنصر:

اسی طرح جب ہم دور جدید کے اندر عربی قصہ نویسی یا ناول نگاری کے ابتدائی وارتقائی مراحل کا جائزہ لیتے ہیں تو یہاں بھی قدما کی طرح ہی قصے اور کہانیوں میں اساطیری عنصر کی جھلک نمایاں طور پر دیکھنے کو ملتی ہے، گو کہ ان قصوں کے در پردہ مختلف قسم کے اجتماعی، سیاسی، اصلاحی اور اخلاقی مقاصد بھی پوشیدہ ہیں لیکن ان کے اندر ظرافت ولطافت پیدا کرنے کی غرض سے جدید دور کے ناول نگاروں اور

قصہ نویسوں نے بھی عجائب وغرائب پر مشتمل عربی زبان کے قدیم اساطیری قصوں سے مدد لی ہے، ڈاکٹر محمود حامد شوکت کا ماننا ہے کہ جدید دور کی عربی قصہ نگاری میں ''الف لیلہ ولیلہ'' اور ''مقامات'' کے فکری وفنی اثرات کو نمایاں طور پر دیکھا جا سکتا ہے، انھوں نے ''الف لیلہ ولیلہ'' اور دور جدید کی بعض ناولوں کا تقابلی مطالعہ کرتے ہوئے یہ ثابت کیا ہے کہ بعض افراد نے تو کرداروں کے نام کو جوں کا توں رہنے دیا ہے جبکہ بعض افراد نے کردار اور مقامات کے نام کو تبدیل کر دیا ہے لیکن فکری اثر انگیزی سے اپنے آپ کو باہر نہیں نکال سکے ہیں۔[۳۷] اس میں کوئی شک نہیں کہ جدید دور میں عربی قصہ نگاری فکری وفنی اعتبار سے ''الف لیلہ ولیلہ'' اور مقامات، جیسے قدیم مجموعوں کی تقلید سے شروع ہوئی پھر مغربی ادبیات سے اتصال کے نتیجے میں اس کے اغراض ومقاصد میں وسعت اور فکر وفن کے اندر گیرائی پیدا ہوئی۔ محمد مہدی حفناوی نے اپنے قصے، ''مقامات المارستان'' میں نمایاں طور پر ''الف لیلہ ولیلہ'' کے فکر واسلوب کو اپنانے کی کوشش کی ہے، شہریار اور شہرزاد کی طرح اس نے بھی اپنے قصوں میں ''عبد الرحمان'' اور ''شیخ'' کو مرکزی کردار بنایا ہے، ''عبدالرحمٰن'' شہرزاد کے طرز پر ہی عجائب وغرائب پر مشتمل ایرانی، ھندوستانی، یونانی، اور مصری حکایات کے مجموعوں سے ''شیخ'' کو عجائب وغرائب پر مشتمل کہانیاں سناتا ہے، اس کی کہانیاں بہت حد تک ''الف لیلہ ولیلہ'' کی کہانیوں سے ملتی جلتی ہیں گوکہ اس نے کرداروں اور مقامات کے نام تبدیل کر دیے ہیں۔ اسی طرح علی مبارک نے علم الدین، محمد مویلحی نے ''حدیث عیسیٰ بن ھشام، اور حافظ ابراھیم نے ''لیالی سطیح'' میں فنی اعتبار سے بدیع الزماں ہمدانی اور حریری کے مقامات کی پیروی کی ہے گو کہ کرداروں کے نام مختلف ہیں اور ان کا مقصد معاشرتی واجتماعی اصلاح ہے۔ ان قصوں میں لطافت اور رغبت پیدا کرنے کی غرض سے عجائب وغرائب کو بھی شامل کیا گیا ہے کیونکہ انسانی نفس خالص اخلاقی واصلاحی موضوعات کی طرف آسانی سے راغب نہیں ہوتا۔[۳۸] سلیم بستانی کے قصوں کے مجموعے ''الھیام فی جنان الشام'' کے اندر اتفاقات اور خارق عادت حادثات کثرت سے ملتے ہیں جن کی عقلی یا منطقی توجیہ ممکن نہیں گوکہ ان کا مقصد اجتماعی وسماجی اصلاح ہے۔ اس نے اپنے تمام ہی قصوں میں خیالی کردار، بعید از عقل تخیلات، اور کائنات کے طبعی تقاضوں کے خلاف حالات کا ذکر کیا ہے، ڈاکٹر یوسف نجم نے تفصیل کے ساتھ اس کی کہانیوں کے اندر اساطیری عناصر کا تجزیہ پیش کیا ہے۔ اسی طرح سعید بستانی کے قصوں ''ذات الخذر''، ''سمیر الامیر، کے اندر بھی طبعی تقاضوں کے برخلاف واقعات وحوادث موجود ہیں۔ فرح انطون نے بھی اپنے قصوں (الدین والعلم ورعان) میں اجتماعی وسماجی برائیوں کی اصلاح اور حصول تعلیم کے تئیں عوامی بیداری پیدا کرنے کو اپنا خاص موضوع بنایا ہے لیکن ان قصوں میں اتفاقات، خارق عادت حادثات اور غیر طبعی حالات جیسے اساطیری عناصر موجود ہیں۔[۳۹]

اسی طرح جب ہم دور جدید میں عربی ڈرامہ نویسی کے ابتدائی وارتقائی مراحل پر نگاہ ڈالتے ہیں

تو ان ڈراموں پر بھی قدیم اساطیری قصوں کی چھاپ نمایاں طور پر نظر آتی ہے، ان ڈراموں کا بنیادی مقصد تو اجتماعی، اخلاقی، دینی، سماجی و معاشرتی اصلاح ہے لیکن ان ڈراموں کے کردار اور پلاٹ قدیم اساطیری قصوں سے ماخوذ ہیں، دور جدید کے عرب ناول نگاروں اور ڈرامہ نویسوں میں توفیق الحکیم کو نمایاں مقام حاصل ہے، اس نے الف لیلہ و لیلہ کے اساطیری قصوں کو بنیاد بنا کر عربی زبان میں مغربی ادبیات کی بنیادوں پر نہ صرف ڈرامہ نویسی کی صنف کو زندہ کیا بلکہ اسے فکر و فن کے اعتبار سے مستحکم بھی کیا۔ اس کے اجتماعی و سماجی ڈرامے اس قدر مشہور ہوئے کہ انگریزی، فرانسیسی اور دیگر یوروپی زبانوں میں ان کے ترجمے بھی کیے گئے۔ اس کا مشہور ڈرامہ ''شہرزاد'' بنیادی طور پر ''الف لیلہ و لیلہ' کے مشہور کردار شہرزاد پر مبنی ہے، اس طرح توفیق الحکیم کے مختلف ڈراموں ''سلیمان الحکیم'' علی بابا' انیریس، صمار الحکیم، ملک اودیپ، اور عہد الشیطان وغیرہ کے اندر اجتماعی و سماجی اصلاح کے پہلو کے ساتھ اساطیری افکار و کردار کی جھلک بھی نظر آتی ہے۔ اسی طرح ادیب مردہ نے 'توبہ' ''شہرزاد'' علی احمد باکستر نے ''سر شہرزاد' عزیز اباظہ نے ''سر شہریار' اور طہ حسین نے 'احلام شہرزاد'' کے عنوان سے ڈرامے لکھے۔ [۱۱]

بہر حال تاریخ کے ہر دور میں 'اسطورہ'، عربی قصہ نگاری ہی نہیں بلکہ عالمی قصہ نگاری کا اہم جزء رہا ہے اور ہر دور کے ناول نگاروں اور ڈرامہ نویسوں نے محض حقائق و معقولات پر تکیہ نہ کرتے ہوئے اپنے تخیلات میں عجائب و غرائب، توہمات و خرافات، سحر و جنات اور تخیلات و تصورات کو بھی مناسب جگہ دی ہے کیونکہ ادبی تخیلات کی طرف عوام کی دلچسپی اور ان کی رغبت کو ابھارنے کے لیے اساطیری عناصر کا سہارا لینا ضروری ہے، عالمی سطح پر ہیری پاٹر کے ناولوں کی اس درجہ مقبولیت کی اس کے سوا کوئی اور بنیادی وجہ نہیں کہ اس کے ناول کے زیادہ تر کردار اساطیری و توہماتی ہوتے ہیں اور اسی طرح اس کے حادثات و واقعات کائنات کے طبعی تقاضوں کے برخلاف ہوتے ہیں۔

حواشی

۱۔ الفہرست۔ ابن ندیم۔ مطبعۃ الاستقامہ، قاہرہ، مصر ص ۱۳۸۔ ۱۳۸

۲۔ محاضرات فی لقصص فی ادب العرب ماضیہ وحاضرہ۔ محمود تیمور معہد الدراسات الدینیۃ، قاہرہ، مصر ۱۹۴۸ء

۳۔ الفن القصص فی القرآن الکریم۔ محمد احمد خلف اللہ ص ۱۳۶، مکتبۃ النھضہ المصریہ، قاہرہ، مصر ۱۹۵۱ء

۴۔ لسان الوب۔ ابن منظور۔ ج۔ ۲۔ ص ۲۸

۵۔ الاساطیر العربیۃ قبل الاسلام۔ ڈاکٹر محمد عبدالمعید خاں ص۴۔ مطبعۃ لجنۃ التالیف والترجمہ والنشر۔ قاہرہ ۱۹۳۷ء

۶۔ سورۃ انعام۔ ایت۔ ۲۵

۷۔ سورۃ انفال۔ ایت نمبر ۳۱

۸۔ سورۃ نحل۔ ایت ۲۴

۹۔ سورۃ مومنون۔ ایت نمبر ۸۳

۱۰۔ سورۃ فرقان۔ ایت نمبر ۵۔ ۶

۱۱۔ سورۃ احقاف۔ ایت نمبر ۸۷

۱۲۔ سورۃ قلم۔ آیت نمبر ۱۵

۱۳۔ تفسیر مظہری۔ ابن جریر طبری۔ تحقیق محمد محمود شاکر، مراجعہ۔ احمد محمد شاکر۔ ج۔۱۱ص ۳۰۹۔ دارالمعارف، مصر ۱۹۵۷ء

۱۴۔ تفسیر مظہری۔ قاضی ثناء اللہ مظہری۔ ج۔۳۔ ص ۲۵۴۔ ندوۃ المصنفین۔ دہلی

۱۵۔ تفسیر الکشاف۔ محمود بن زمخشری، ج۔۲۔ ص ۱۴، مطبعہ الاستقامۃ، قاہرہ۔ مصر ۱۹۵۳ء

۱۶۔ تفسیر تدبر قرآن۔ مولانا امین حسن اصلاحی، ج۔۳۔ ص ۳۵، تاج کمپنی، ترکمان گیٹ، دہلی۔۶۔۱۹۸۸ء

۱۷۔ الدر المنثور فی التفسیر بالماثور۔ جلال الدین عبدالرحمٰن ابن ابی بکر السیوطی۔ ج۔۳۔ ص ۸

۱۸۔ الاساطیر العربیۃ قبل الاسلام۔ ڈاکٹر محمد عبدالمعید خاں۔ ص ۱۲

۱۹۔ الفن القصصی فی القرآن الکریم۔ محمد احمد خلف اللہ ص ۲۰۸

۲۰۔ الاساطیر العربیۃ قبل الاسلام۔ ڈاکٹر محمد عبدالمعید خاں۔ ص ۱۰

۲۱۔ القصۃ العربیۃ المعاصر تطورھا و اعلامھا۔ انور الجنزی۔ ص ۲۳، مطبعۃ الرسالۃ، قاہرہ، مصر

۲۲۔ الاساطیر العربیۃ قبل الاسلام۔ ڈاکٹر محمد عبدالمعید خاں۔ ص ۵

۲۳۔ محاضرات فی القصص فی ادب العرب۔ الاستاذ محمد مندور ص ۳۸

۲۴۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو الفنون الادبیۃ عند العرب۔ فن القصۃ ج۔۱۔ ص ۵۰۔ ۱۴۵ احمد ابو سعد۔ مطبعۃ السعادۃ۔ مصر

۲۵۔ مصدر سابق ص ۶۰۔ ۵۶

۲۶۔ قصص من القرآن، ص ۳۶، دارالکتاب العربی، مصر ۱۹۵۶ء / محاضرات فی القصص، محمود تیمور ص ۲۷

۲۷۔ سورۃ یوسف ۲۸۔ فن القصۃ۔ احمد ابو سعد۔ ص ۶۷۔ ۶۶ ۲۹۔ القرآن

۳۰۔ تاریخ القصۃ والنقد۔ سامی بیومی مکتبۃ الانجلو المصریۃ، قاہرہ ۱۹۵۶ء

۳۱۔ فجر الاسلام۔ ڈاکٹر احمد امین۔ ص ۶۸ ۳۲۔ الفہرست۔ ابن ندیم ص ۱۷۳

۳۳۔ محاضرات فی القصص فی ادب العرب۔ ماضیہ و حاضرہ۔ محمد تیمور۔ ص ۴۴

۳۴۔ فن القصۃ۔ ڈاکٹر محمد یوسف نجم۔ ص ۱۳۔ ۲۷ ۳۵۔ دراسات فی القصۃ والمسرح۔ محمود تیمور، ص ۴۷۔ ۴۰

۳۶۔ تاریخ القصۃ والنقد۔ سامی بیومی ص ۶۵۔ ۳۵ ۳۷۔ تاریخ القصۃ والنقد فی الادب العربی۔ سامی بیومی ص ۱۰۴۔ ۷۰

۳۸۔ فن القصص فی الادب المصری الحدیث۔ ڈاکٹر محمد حامد شوکت ص ۵۰۔ ۳۷ دار الفکر العربی، قاہرہ، مصر ۱۹۷۰ء

۳۹۔ مصدر سابق۔ ص ۵۳ ۴۰۔ فن القصۃ۔ ڈاکٹر یوسف نجم، دار بیروت، بیروت ص ۲۶۔ ۱۵، ۱۹۵۶ء

۴۱۔ دراسات فی ادبنا الحدیث: المسرح والشعر والقصۃ۔ لویس عوض ص ۷۰۔ ۷۵ دار المعرفۃ، قاہرہ، مصر ۱۹۶۱ء

۴۲۔ مصدر سابق۔ ص ۸۵

☆☆☆

فکر و نظر

سہ ماہی

دسمبر ۲۰۰۷ء

جلد : ۴۴

شمارہ : ۴

مدیر

پروفیسر آزرمی دخت صفوی

ا۔ شبلی روڈ، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ

دسمبر ۲۰۰۷ء
فکر و نظر
سہ ماہی ادبی و علمی رسالہ
علی گڑھ مسلم یونیورسٹی